جلد02 شمارہ16، 2023

Article

Mushtaq Ahmad Yousufi's Literary Masterpiece: "Zarguzasht"

مشتاق احمد یوسفی کا ادبی شاہ کار: "زرگذشت"

Dr. Muhammad Shahbaz*, [1]Dr. Irfan Tauheed [2]

[1] Assistant Professor, Dept. of Urdu, Govt. Islamia Graduate College, Civil Lines, Lahore
[2] Assistant Professor, Dept. of Urdu, Lahore Leads University, Lahore
*Correspondence: szgiccl@gmail.com

ڈاکٹر محمد شہباز[1]، ڈاکٹر عرفان توحید[2]

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور، [2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract: Mushtaq Ahmed Yousifi is one of the leading humourists of the twentieth century who has played a pivotal role in strengthening the literary tradition of Urdu satire and humor. Can be presented as, in which he has nurtured humor in the veil of his past by making the habits and qualities of his colleagues connected with his professional bank life and their natural attitudes and tendencies the subject of conversation. In the article under discussion, scribe has tried to present a critical and research analysis on the intellectual level of Mushtaq Ahmed Yousifi's autobiography "Zarguasht" on the negative and positive aspects of his colleagues.

Keywords: Mushtaq Ahmad Yousufi, Zarguzasht, Autobiography, Satire and humour, Mr. Anderson, Self directed humour, Western civilization

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:01-09-2023
Accepted:25-11-2023
Online:20-12-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ روایت میں مشتاق احمد یوسفی کا نام اِس حوالے سے بڑا اہم ہے کہ اُنھوں نے اپنی اولین تصنیف "چراغ تلے" (۱۹۶۱ء) سے ہی وہ مقام حاصل کر لیا، جو بڑے بڑے مزاح نگاروں کو عمر بھر کی تپسیا کے بعد بھی حاصل نہیں ہوا۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بل کہ یوسفی کے تخلیقی سفر کا اگلا پڑاؤ "خاکم بدہن" (۱۹۶۹ء) کی صورت میں جب منظرِ عام پر آیا تو اقلیمِ طنز و مزاح میں یہ مجموعہ "چراغ تلے" سے بھی کہیں زیادہ محکم و معتبر ٹھہرا، لیکن یوسفی کی تیسری تصنیف یعنی "زرگذشت" (۱۹۷۶ء)، جسے اُنھوں نے اپنی "سوانح نو عمری" کا نام دیا ہے، فی الاصل اُن کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کا ایک ایسا نقطۂ عروج ہے، جس کے بعد یوسفی اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ ادبی روایت میں "سرخیلِ مزاح نگاراں" (۱) کے اعزازی منصب سے ملقب ہوئے۔ محلِ نظر رہے کہ خاکوں اور مضامین پر مبنی دو اوّلین مجموعوں کی تخلیق کے بعد گیارہ ابواب پر مشتمل مشتاق احمد یوسفی کی تیسری کتاب "زرگذشت"، جو یوسفی کی پچیس برسوں کو محیط اُن کی "بینک بیتی" ہے، جس کی نیو مصنف نے اپنی ذات پر رکھی ہے۔ (۲) یہ تصنیف اُن کی نسبتاً ایک مربوط تصنیف ہے، جو زندگی کے گوناں گوں تجربات کے بیان کی بنا پر آپ بیتی کا رنگ پیش کرتی ہے، (۳) مگر واضح رہے کہ یوسفی نہ تو اِس کتاب کے مرکزی کردار ہیں اور نہ ہی اُن کے حالاتِ زندگی اِس کتاب پر حاوی دکھائی دیتے ہیں۔ (۴) کہنے کو تو "زرگذشت" اُن کی آپ بیتی ہے، مگر اِس میں اُنھوں نے اپنی ذات کو مرکزی کردار بنانے کے بجائے اپنے اِرد گرد بسنے والے لوگوں کے احوال کو بیان کرنے میں زیادہ فعالیت دکھائی ہے اور اپنی ذات سے متعلق جس قدر حالات و واقعات درج کیے ہیں، اُن میں بھی حسنِ ترتیب کا شدید فقدان دکھائی دیتا ہے، یعنی اپنی ذات کے بیشتر گوشے اُنھوں نے اِس خود نوشت میں ظاہر ہی نہیں کیے۔ (۵) کہا جا سکتا ہے کہ "زرگذشت" جہاں ایک طرف آپ بیتی کی چاشنی سے مملو ہے تو دوسری جانب اپنے باطن میں جگ بیتی کی تاثیر بھی لیے ہوئے ہے۔ (۶) یہ خود نوشت یوسفی کی ہی سوانح عمری نہیں، بل کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہنستے بستے شہر کی کتھا ہے، (۷) "زرگذشت" اِس وجہ سے بھی ایک منفرد خود نوشت سوانح کا درجہ رکھتی ہے کہ اِس میں اُن کا مقصود بالذات اپنی زندگی اور شخصیت کی تصویر کشی کرنے کے بجائے اپنے اِرد گرد موجود لوگوں کی زندگی کو آشکار کرنا تھا، جس کا برملا اظہار یوسفی کچھ یوں کرتے ہیں:

> "ممکن ہے بعض پڑھنے والوں کو اس خود نوشت سوانح عمری میں لکھنے والا خود کہیں نظر نہ آئے۔ اگر ایسا تاثر ہے تو یہ عین قرینِ حقیقت ہو گا۔ اس لیے کہ اپنی زندگی میں بھی ہر قدم پر دوسرے ہی دخیل نظر آتے ہیں۔" (۸)

خیال رہے کہ خود نوشت سوانح محض احوال و واقعات کا مجموعہ ہی نہیں ہوتی، بل کہ مصنف کی داخلی کیفیات ،دلی احساسات، شخصی اور عملی تجربات، زندگی کے جذباتی پہلوؤں کی عکاسی اور بہ حیثیتِ مجموعی زندگی کے بارے میں مصنف کے نقطۂ نظر کی ترجمان بھی ہوتی ہے ۔یوسفی کی زیرِ نظر آپ بیتی روایتی خود نوشتوں سے بوجوہ قطعاً مختلف ہے۔یہ آپ بیتی یونائٹڈ بینک کراچی میں یوسفی کے آغازِ ملازمت ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۴ءتک کے درمیانی عرصے کے مشاہدات و تجربات کے بیان پر مشتمل ہے۔اِس کا مسودہ دسمبر ۱۹۷۱ء سے ستمبر ۱۹۷۵ءکے دوران تکمیل کو پہنچا۔یوسفی نے اِس کتاب کا نام "زرگذشت "تجویز کیا، جو ظاہر ہے کہ اُن کی پیشہ ورانہ زندگی کا احوال نامہ ہے، جسے اُنھوں نے سوانح عمری کا نام دیا ہے۔کرداروں کے حوالے سے یوسفی کا کہنا ہے کہ خوفِ فسادِ خلق کے پیشِ نظر بینک کے جنرل مینیجر مسٹر اینڈرسن کے علاوہ باقی تمام کرداروں کے نام اور مقامات تبدیل کر دیے گئے ہیں (۹)۔

یوسفی نے اپنی اِس تصنیف کو بہ ذاتِ خود سوانح عمری قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ اِس تصنیف کو کس حد تک سوانح عمری کی ذیل میں شمار کیا جانا چاہیے۔اِس کتاب کے موضوع کا اندازہ اِس کے نام سے ہی ہو جاتا ہے کہ اِس میں یوسفی نے کس طرح، کس حد تک اور کیا پیش کیا ہے۔"زرگذشت "دراصل یوسفی کے عہدِ ملازمت کے ابتدائی چھ سات برسوں کی کہانی ہے،جب ہجرت کے بعد پاکستان آکر اُنھوں نے بہ طور بینک کار اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔موضوع اور مواد کے نقطۂ نظر سے یہ تصنیف خود نوشت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے، لیکن چوں کہ یہ آپ بیتی اُن کی زندگی کا مکمل احاطہ نہیں کرتی، اِس لیے اِس کتاب کی فضا، ماحول اور اِس کے مندرجات کے اعتبار سے اِسے طنز و مزاح کا مجموعہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا، وہ اِس لیے بھی کہ اِس کتاب میں اُن کا بچپن، خاندانی حالات، اہل و عیال اور سماجی و ادبی زندگی سے متعلق معلومات تشنگی کا شکوہ کرتے ہیں۔

"زرگذشت "فی الاصل شخصیت نگاری کا ایک ایسا درپن ہے، جس میں یوسفی اپنا چہرہ خود بھی دیکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھاتے ہیں، لیکن اِس میں اُنھوں نے اپنے آپ کو آشکار کرنے کے بجائے زیادہ توجہ اپنے کرداروں کی عادات و اطوار اور حالات و واقعات پر مرتکز رکھی ہے اور اُن کی اپنی ذات مذکورہ کرداروں کی موجودگی میں کسی حد تک پس منظر میں چلی جاتی ہے۔بلا شبہ اِس آپ بیتی میں یوسفی کی پوری زندگی کے خدوخال نظر نہیں آتے،(۱۰) تاہم یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف کی اپنی ذات اِس خود نوشت میں دکھائی نہیں دیتی، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی اپنی ذات ہر کردار کے ساتھ ساتھ لمحہ بہ لمحہ موجود رہتی ہے اور اپنے ذاتی حالات و واقعات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے، جس حد تک اپنی ذات کو منکشف کرنا چاہتی ہے، اُن کی زندگی کے وہ اہم حصے اور

احوال دیگر کرداروں کے ارتقائی مراحل کے دوران آشکار ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر اِس امر میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ اُنھوں نے اپنے نجی حالات و کوائف پر بہت کم روشنی ڈالی ہے، جس کا دفاع کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

"میں اپنی نجی زندگی کو نجی ہی رکھنا چاہتا ہوں، اس وجہ سے کہ نجی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے، ایک عام گرہستی آدمی کی زندگی ہے۔۔۔ویسے میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ تحریر کو خود بولنا چاہیے، اس کے Blanks کو حالاتِ زندگی سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔"(۱۱)

"چراغ تلے" اور "خاکم بدہن" کے مقدمات کی طرح یوسفی نے اپنی تیسری تصنیف "زرگذشت" کا پیش لفظ بھی "تُزکِ یوسفی" کے نام سے خود ہی تحریر کیا ہے۔ حسبِ روایت یہاں بھی اُنھوں نے پیش لفظ کا عنوان "تُزکِ یوسفی"، یعنی ایک تلمیح سے اخذ کیا ہے۔ تُزک کا لفظ پڑھ کر دھیان معاً "تُزکِ بابری" اور "تُزکِ جہاں گیری" کی جانب مبذول ہو جاتا ہے۔ تُزک کا لفظ ضابطہ، لشکر، تنظیم و ترتیب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن تُزک کا اصل مطلب ہے، وہ واقعہ جسے بادشاہ نے خود لکھا ہو۔ تُزک کے معنی و مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفی واقعی اپنی ذات اور تحریر کے بادشاہ ہیں۔ اِس پیش لفظ میں یوسفی نے اپنے متعلق کئی وضاحتیں پیش کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے پیشے سے اِس قدر سنجیدگی اور خلوص برتا ہے کہ گویا اُن کا پیشہ ہی اُن کی ذات بن گئی:

"میں نے اس کتاب کی بنیاد اپنی ذات پر رکھی ہے، جس سے ایک مدت سے آزردہ خاطر ہوں کہ "پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی۔"(۱۲)

واضح رہے کہ غالب نے اسی چیز کو "سوپشت سے پیشہ آبا سپہ گری" قرار دیا تھا۔ یوں بھی انسانی خصلت ہے کہ انسان اپنا احتساب کرتے ہوئے عمومی طور پر جانب داری کا مظاہرہ کرتا ہے، مگر جہاں تک یوسفی کا تعلق ہے تو وہ اپنے اعمال کے محاسبے میں بڑی سختی کے قائل دکھائی دیتے ہیں۔ اِس بات کا ثبوت "زرگذشت" کے مطالعے سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر وہ اپنی بینک کی ملازمت کے بارے میں کسی قسم کی کوئی مذہبی تاویل و دلیل پیش کرنے کے بجائے وسیع القلبی کے ساتھ اپنے ذریعہ معاش کو خلافِ شرح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غالب نے خود کو اس بنا پر آدھا مسلمان کہا تھا کہ شراب پیتا ہوں، سؤر نہیں کھاتا۔ فقیر سود کھاتا ہے، حرام شے نہیں پیتا کہ وہ وسیلۂ معاش نہیں۔"(۱۳)

یوسفی نے اِس خود نوشت میں از حد کوشش کی ہے کہ کرداروں اور واقعات کی درست نشان دہی نہ ہو سکے، تاکہ بعض افراد، جنھیں وہ پردۂ اخفا میں رکھنا چاہتے ہیں، وہ منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس آپ بیتی میں واقعات کا بیان عدم تسلسل اور عدم ترتیب کا شکار ہے، تاہم ایک بات بڑی اہم ہے کہ اپنی خود نوشت سوانح کو مزاح کے پیرائے میں بیان کرنا یوسفی کا ایک امتیازی اور قابلِ قدر کارنامہ ہے، جسے اُنھوں نے بہ خوبی نبھایا ہے۔ پھر اِس کتاب پر نظر ثانی کرنے والے یوسفی کے لکھنوی اہلِ زبان دوست محمد عبدالجمیل کا تفتیش آمیز استفسارانہ انداز بھی خوب مزا کرتا ہے۔ خاص طور پر لفظوں کا املا اور محاورات کی بندش کے حوالے سے ہونے والی گفتگو قاری کی حسِ ظرافت کو فروغ دیتی ہے۔ ازاں بعد لاہور کے ایک خطاط کی کتابت کا احوال بھی لطف وانبساط کی کیفیات سے معمور ہے، جب کہ آخر میں ایک کارٹون آرٹسٹ کے اندازِ داد خواہی کا بیان سنجیدگی و شرارت کا خوب صورت امتزاج پیش کرتا ہے۔

یوسفی کی آپ بیتی "زرگذشت" کا پہلا باب "سبق یہ تھا پہلا کتابِ ربا کا" اِس اعتبار سے قابلِ غور ہے کہ دیگر کئی عنوانات کی طرح یہ عنوان بھی صنفِ شعر کی دُنیا، یعنی مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۱۴ء) کی "مسدّس" سے اخذ کیا گیا ہے:

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا

کہ ہے ساری مخلوق کُنبہ خدا کا

اِس باب کا پہلا ذیلی عنوان "تب دیکھ بہاریں جاڑے کی" میں یوسفی نے پاکستان کے میٹروپولیٹن شہر کراچی کے غیر یقینی موسمی حالات، بالخصوص سردیوں کے موسم کا تذکرہ طنز و ظرافت کے پیرائے میں کمال ہنر مندی سے کیا ہے۔ خاص طور پر اُنھوں نے اپنے طنزیہ و مزاحیہ اُسلوب میں نوزائیدہ پاکستان کے دارالخلافہ کراچی کے مسائل اور تہذیبی زندگی کی ترجمانی بھی انتہائی دل کش انداز میں کی ہے۔ (۱۴) یوسفی کے ہاں زبان کی شگفتگی ایک سلیقے کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اِس حصے میں یوسفی نے قیامِ پاکستان کے بعد وطنِ عزیز کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد اپنے دلی تاثرات کا بیان کسی قدر جذباتی انداز میں کیا ہے۔ ساتھ ہی فلیش بیک (Flash Back) کی صورت میں اپنی ابتدائی تعلیم کی کہانی اور قبلہ والدِ محترم کی پابندِ شرع زندگی کے کئی گوشوں کو بلا کم وکاست بیان کیا ہے۔ پھر مسٹر اینڈرسن سے بینک کی ملازمت کے حصول کے لیے اپنی پہلی ملاقات میں پوچھے گئے اینڈے بینڈے سوالات کا تذکرہ بھی لطف وانبساط کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔

یوسفی نے اِس کتاب کے دوسرے باب "رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر" میں اپنی بینک کی ملازمت کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے یعسوب الحسن غوری، ڈی سوزا، عبادالرحمن غالب اور احسن احمد فاروق وغیرہ کے عیب وہنر کا مضحکہ اُڑایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مرزا عبدلودود بیگ کے ساتھ موقع بہ موقع نوک جھونک اور تکرارِ بے وجہ بھی لطف سے خالی نہیں۔ اِس باب میں یوسفی نے اپنے رفقاے کار سے لے کر افسرانِ بالا تک بعض عجیب الخلقت افراد کی ایسی دُرگت بنائی ہے کہ اُن کے مقابلے میں سودا کی ہجویں کم مایہ محسوس ہونے لگتی ہیں۔ یوسفی خالص مذاق اور موازنہ دونوں سے زبردست مزاح پیدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " آدمی اپنی گرہ سے پیسہ اُدھار دے اور وہ ڈوب جائے تو احمق کہلاتا ہے۔ وصول ہو جائے تو سُود خور۔ لیکن دوسروں کا روپیہ بیاج پر چلائے اور مونچھیں داڑھی سے بڑھ جائیں، یعنی بیاج مول سے زیادہ ہو جائے تو بینکر باجے! سود میں بڑی برکت ہے۔ سود اور سرطان کو بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"(۱۵)

"زرگذشت" کے تیسرے باب "کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا، یا کوئی قیدی چھوٹ گیا" میں یوسفی نے کنجو اور چاچا فضل دین کے ذریعے زندگی کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کنجو جسے دفتر میں شہزادہ گلفام کے نام سے جانا جاتا تھا، وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا نواب سمجھتا تھا۔ کنجو دراصل اوّل درجے کا باتونی، چرب زبان اور ہر شخص کو بآسانی شیشے میں اُتارنے کے فن میں انتہائی ماہر شخص تھا ۔ کنجو عورتوں کی محبت کے حصول کا شدید متمنی اور اپنی مقصد براری کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنے والا انتہائی حریص انسان تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ کنجو کا کردار ایک ایسے شخص کی ترجمانی کرتا ہے، جس سے شر کی بُو آتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یوسفی نے کنجو پاشا کی عیاری اور دھوکا بازی کو آشکار کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ہمارے سماج میں بعض افراد ایسے بھی ہیں، جو اپنی برائیوں کو چھپانے کے لیے مذہب کا سہارا لیتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ کنجو کے برعکس چاچا فضل دین کا کردار سرتاسر خیر کا منبع ہے، وہ بینک میں ایک معمولی درجے کا ملازم ہو کر بھی نہایت ایمان دار، کم گو اور شریف النفس آدمی کا کردار ہے، جو انسانیت کی سطح پر بہت بلند مقام کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ اِس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جب کنجو روپیہ غبن کرکے بھاگ گیا تو چاچا فضل دین بہت رویا۔ یوسفی اُس کی شرافت اور بھلمنساہٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اُس دن چاچا فضل دین بہت رویا۔ غم میں روٹی نہیں کھائی۔ کبھی طیش میں آکر کہتا "اگر تینوں چوری کرنی ہی سی تے مَرداں وانگوں مَجھ گاں چُرانداں۔ اَے کی جگ ماری؟" (اگر تجھے چوری ہی کرنی تھی تو مردوں کی طرح گائے بھینس چُراتا۔ یہ کیا جھک ماری؟) پھر سر پیٹ کر کہتا "کی کردا پتر؟ جے تینوں پیسے ہی دی لوڑ سی، تو مینوں دَسنا سی۔ میں اپنے

سارے مہینے دی تنخواہ دے دیندا۔ ہُن کی ہو سی ؟"(بیٹا! یہ تُو نے کیا کیا؟ اگر تجھے پیسے ہی کی ہوس تھی تو مجھے تو بتایا ہوتا۔ میں اپنے سارے مہینے کی تنخواہ تجھے دے دیتا۔ اَب کیا ہو گا ؟)ایک دفعہ اکاؤنٹنٹ رُخصت پر تھا اور نیا منیجر تجوری کی دونوں چابیاں کھلی دراز میں رکھی چھوڑ گیا۔ اس وقت تجوری میں دس لاکھ روپے تھے۔ چاچا فضل دین چابیوں کو سینہ سے لگائے رات بھر لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ کا وِرد کرتا، ٹہلتا رہا۔ اُس کی بیوی ٹی۔بی کے آخر درجہ میں منہ سے خُون ڈالتی، علاج کو ترستی خانیوال میں اپنے میکے میں دم توڑ رہی تھی۔ چاچا کو فقط چار سو رتیں اور ۷۳ تک گنتی آتی تھی کہ یہی اس کی تنخواہ تھی۔ دس لاکھ روپے میں تو بقول اس کے اتنی بھینسیں آسکتی تھیں کہ سارے کا سارا گاؤں اپنے پیاروں سے خالی کرانا پڑتا۔ اور اس نے تو صرف آدمی کمائے تھے۔"(۱۶)

زیرِ بحث تصنیف کے اگلے باب "علم دریاؤ" میں یوسفی نے اپنے بزرگ رفیقِ کار خان سیف الملوک خاں کا خاکہ پیش کیا ہے، جس کا تعلق صوبہ سرحد (۱۷) سے تھا۔ خان سیف الملوک خاں دوستوں پر جان چھڑکنے والا اور ہر قیمت پر دُشمنوں کی جان لینے والے ایک ایسے شخص کا کردار ہے، جو سچی دوستی اور وفاداری کی بہترین مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوسفی نے خان سیف الملوک خاں کے مخصوص نشست و برخاست کو خوب مزے لے لے کر بیان کیا ہے، یعنی ایک پڑھا لکھا پٹھان کس قماش کا ہوتا ہے، اِس کا اندازہ ہمیں "علم دریاؤ" پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ یوسفی نے اِس خاکے میں خان سیف الملوک خاں کا حلیہ، عادات و اطوار اور اوصاف و مناقب کو اپنی مزاحیہ زبان دانی کے پردے میں انتہائی ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں جزوی طور پر اِس باب میں یوسفی نے اپنی تنقیدی بصیرت کا بھی اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ن۔م۔ راشد کی شاعری کے ضمن میں بعض ناقدین نے اُن کے فکری پہلو پر مختلف حوالوں سے تنقید و طنز سے کام لیتے ہوئے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں، مگر یوسفی نے راشد کی نفسیات، بل کہ چال چلن تک کو فقط دو جملوں میں بیان کر کے سارا قصہ ہی تمام کر دیا ہے:

"ن۔م۔ راشد کے جغرافیہ فراموش ہیرو کی طرح ہم اتنا بڑا دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ "اُس کا چہرہ، اُس کے خدوخال یاد آتے نہیں۔ اِک برہنہ جسم اب تک یاد ہے۔" اِس لیے کہ اِس صورتِ حال میں حافظہ کی خرابی سے زیادہ چال چلن کی خرابی نظر آتی ہے۔"(۱۸)

"زرگزشت" کے چھٹے باب "پروٹوکول" میں مسٹر اینڈرسن کے حکم پر یوسفی اور یعسوب الحسن ویسٹ وہارف کراچی میں ایک جرمن لیڈی مسز شوازر کو رسیو کرنے جاتے ہیں، جو ایک مال بردار جہاز کے ذریعے پونے دو مہینے کا سفر کر کے کراچی بندرگاہ پر

پہنچی تھی۔ مسٹر ایڈرسن کا سخت حکم تھا کہ مسز شوازر کے پروٹوکول میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔اِسی سخت پروٹوکول کی آڑ میں یوسفی نے خود برداشتہ مزاح کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔زیرِ بحث باب میں یوسفی نے جہاں ایک طرف اپنے بینک کے رفیقِ کار احمد اللہ ششدر کا اُدھورا خاکہ پیش کیا ہے تو دوسری جانب مسز شوازر کی کراچی آمد کے مناظر کو کمال ہنر مندی اور چابک دستی سے تراشا ہے۔اِس ضمن میں مسز شوازر کے استقبال کا احوال بہ طورِ خاص قابل ذکر ہے۔پھر اُس کی شراب نوشی کی لت کو بھی یوسفی نے کسی قدر مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے ۔علاوہ ازیں یوسفی نے مسز شوازر کے پردے میں مغربی تہذیب کے خوب لتے لیے ہیں۔

"فینی ڈارلنگ" نامی اگلے باب میں یوسفی کو زنجبار الیکٹرک کمپنی کے مالک نورالحسن شیخ المعروف نُورُل اور بینک مینیجر کی مل بھگت سے ساڑھے چار لاکھ روپے کے غبن کی تحقیقات کرنے کے لیے بینک کی طرف سے مشرقی پاکستان،یعنی ڈھاکا جانا پڑا۔اِسی سفر کی پُر مزاح داستان کا احوال اِس باب میں انتہائی دل چسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔پھر ڈھاکا سے واپسی پر ایک عدد پنکھے،یعنی فینی کی سوغات کی درآمد اور اُس کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال کا بیانیہ مزاح کی نمو کا شان دار نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ ملکی سیاست پر طنز کی چٹکی بھی فروغِ قہقہہ کا باعث بنتی ہے۔مختصر یہ کہ یوسفی نے نورالحسن شیخ عرف نُورُل اور بینک مینیجر کے فراڈ کی داستان ہزار رنگ سے بیان کی ہے۔خاص طور پر نورالحسن شیخ المعروف نُورُل کی چرب زبانی،شاطر دماغی اور ہٹ دھرمی کے واقعات کو اُنھوں نے طنز و مزاح کے بہترین اُسلوب میں بیان کیا ہے۔:

> "وہ اُن میں سے تھا، جن کا سب سے بڑا سرمایہ اُن کی زبان ہوتی ہے۔جب تک وہ چلتی رہے، ہُن برستا ہی رہے گا۔
> اُس نے بینکوں کی آنکھوں میں دُھول نہیں جھونکی،بڑی صفائی سے سُرمہ لگایا تھا۔"(۱۹)

زیرِ مطالعہ تصنیف کے اگلے باب "کوئی قلزم،کوئی دریا،کوئی قطرہ"(۲۰)میں یوسفی نے اپنے نئے دفتر کا نقشہ تاریخی و خودساختی الفاظ و اصطلاحات کی مدد سے بڑی دل جمعی کے ساتھ پیش کیا ہے،لیکن بلیک ہول،بلڈ گروپ اور اسٹاک ایکسچینج ایسی اصطلاحات کے استعمال سے تحریر بوجھل محسوس نہیں ہوتی،بل کہ یوسفی نے اِن اصطلاحات کو کچھ اِس خوبی سے برتا ہے کہ زبان میں نئی چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔مزید یہ کہ اپنی عائلی زندگی کے مصائب و مسائل کا بیان بھی بدستور جاری رہتا ہے۔علاوہ ازیں اِس باب میں یوسفی نے اپنے دفتر میں آنے والی بلی کی داستان انتہائی جذباتی انداز میں پیش کی ہے ، جس کی ناگہانی موت مصنف کے ساتھ ساتھ قارئین کو بھی دُکھی کر جاتی ہے۔

"زرگذشت" کے اگلے باب "جانا ہمارا کاک ٹیل پارٹی میں" یوسفی نے طنز و مزاح کے نئے زاویے کمال خوبی سے تراشے ہیں۔ علاوہ ازیں تہذیب کے سائے میں برصغیر کا کچا چٹھا بھی کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ یوسفی کا خیال ہے کہ انگریز چلے گئے ،وطنِ عزیز کو آزادی مل گئی، مگر انگریزی تہذیب کے سحر سے ہماری قوم آج بھی نہیں نکل سکی۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ آج بھی انگریزوں کی طرز پر برتھ ڈے پارٹی، ویڈنگ پارٹی، کاک ٹیل پارٹی اور اِن ایسی لاتعداد پارٹیاں موقع بہ موقع ہوتی رہتی ہیں۔ اِن میں ہر پارٹی کا لباس الگ ہوتا ہے۔ قارئین کو اِس باب میں کاک ٹیل پارٹی میں استعمال ہونے والی مختلف اصطلاحات و تراکیب یوسفی کی زبان سے جاننے کا موقع ملتا ہے ۔ اِس پورے باب میں یوسفی ہنسی، مذاق اور قہقہوں کے خم لنڈھاتے، طنز کے تیر چلاتے، اِس کونے سے اُس کونے تک وار کرتے ہوئے قاری کی دل لگی کا سامان کرتے رہتے ہیں:

> "ہمارے وہ پڑھنے والے جو کبھی اِس آتشیں بپتسمہ سے نہیں گزرے، اُن کی اطلاع و عبرت کے لیے عرض ہے کہ اگر سو ڈیڑھ سو باتونی بہروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو اُن کے درمیان جو گفتگو ہو گی، وہ مِن و عَن وہی ہو گی جو کاک ٹیل پارٹی میں سُننے میں آتی ہے۔ ہر ایک اپنی ہانکے چلا جا رہا ہے۔ سوال کچھ، جواب کچھ، مگر دونوں مطمئن اور چاہیے بھی کیا؟"(۲۱)

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں فلموں سے کہیں زیادہ ناٹکوں کا رواج تھا۔ مذکورہ دور میں گاؤں گاؤں میں ناٹک کمپنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُن میں ایک کمپنی کا حال یوسفی اپنے مخصوص انداز میں، مگر کسی قدر باریک بینی کے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ناٹک غریب عوام کی تفریح کا واحد ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ اِس باب کا عنوان "ناٹک" شاید اِسی غرض سے رکھا گیا ہے کہ یوسفی کو اپنی ترقی کا ناٹک، یعنی زندگی کی تیزی، اُتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز دکھانا مقصود تھا، جسے اُنھوں نے انتہائی ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے ۔ اِس باب میں کامیڈی، سسپنس، کش مکش اور ٹریجڈی، گویا ناٹک کے تمام اجزا بدرجہ غایت موجود ہیں۔

یوسفی کی پیشہ ورانہ زندگی کے آغاز کے وقت یونائٹڈ بینک کراچی کے جنرل مینیجر مسٹر اینڈرسن تھے، جن کی ماتحتی میں یوسفی نے کم و بیش چوبیس برس کا طویل عرصہ گزارا۔ اُنھوں نے مسٹر اینڈرسن سے بہ غرضِ انٹرویو ہونے والی اوّلین ملاقات (۱۹۵۰ء) سے لے کر اپنے قیامِ یونائٹڈ بینک کے آخر تک کے تمام احوال کو بلا کم و کاست اپنی اِس آپ بیتی میں بیان کیا ہے۔ اِس ضمن میں یوسفی نے مسٹر اینڈرسن کی شخصیت و کردار اور مزاج و عادات کی تصویر کشی حقیقت بیانی کے ساتھ پیش کی ہے۔ یوسفی کے دیرینہ دوست

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے ایک مرتبہ یوسفی سے پوچھا کہ کیا اینڈرسن کوئی حقیقی اور زندہ شخص تھا؟ جس پر اُنھوں نے جواب دیا کہ: "واقعی تھا اور خوب انسان تھا۔" (۲۲) مسٹر اینڈرسن کے ساتھ طویل عرصہ گزارنے اور اُس کی شخصیت کے حسن و قبح کا مشاہدہ کرنے کے بعد یوسفی اِس نتیجے پر پہنچے کہ مسٹر اینڈرسن ایک پیارا انسان تھا، جس نے اپنی داخلی زندگی میں کسی کو جھانکنے کی کبھی اجازت نہیں دی، لیکن یوسفی نے اپنی انسان شناسی کے وصف کو استعمال میں لاتے ہوئے مسٹر اینڈرسن کے بارے میں بہ خوبی جان لیا تھا کہ وہ ایک عدد عملی انسان ہے، جو اپنے پیشے کے ساتھ ضرورت سے کہیں زیادہ وفادار ہے۔ یوسفی تسلیم کرتے ہیں کہ بلاشبہ "زرگزشت" اُن کی اپنی خود نوشت ہے، مگر اِس خود نوشت کا ہیرو اینڈرسن ہے۔ اینڈرسن کی زندگی پر تحریر کیے گئے اِس خاکے کو یوسفی کے کام یاب ترین خاکوں میں شمار کرنا چاہیے۔ اینڈرسن کے غصے کا نقشہ پیش کرتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "اُس کا غصہ بالکل خالص ہوتا تھا۔ یعنی بلاوجہ۔ فون پر بولتا تو تار جل اُٹھتے۔ ہر لفظ کی تیوری پر بل، ہر فقرے کی آستین چڑھی ہوئی۔ غبن اگر ڈھاکہ میں ہوا ہے تو ڈانٹ کراچی کے کیشئر پر پڑ رہی ہے۔ چائے کے کپ میں کسی مکھی نے خودکشی کرلی تو انسپکٹر آف برانچز سے باز پُرس۔ غرض کہ، بقول مرزا، ہر شخص کی بے عزتی خراب کرتا تھا۔ لوگ رَجز پڑھتے ہوئے جاتے اور ہجو کہتے لوٹتے۔" (۲۳)

اِس باب میں یوسفی نے بینک کی رُوداد بیان کرتے ہوئے جہاں اپنے خاندان، خاص طور پر اپنے والدِ محترم کا ذکر کیا ہے ،وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ کس طرح معمولی عہدِ دار کی حیثیت سے اُنھوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا۔ علاوہ ازیں یوسفی نے اپنی بینک کی ملازمت کے ارتقائی مراحل، تربیت و مشکلات، ناکامیوں اور کامیابیوں کو بھی کھُل کر بیان کیا ہے، جس سے بینک کاری ایسے خشک موضوع میں بھی مزاح کی چاشنی سے "چوبِ نَے" میں "سرورِ مے" کا رس محسوس ہوتا ہے۔ (۲۴)

جب کہ "زرگذشت" کے آخری باب "موصوفہ" میں یوسفی نے ریمنڈن کی شخصیت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ چوں کہ اِس سے پہلے باب میں مسٹر اینڈرسن کو یوسفی نے بہ حیثیت ہیرو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، لہٰذا اب ایک عدد ہیروئین کی ضرورت تھی، اِس لیے یوسفی نے ریمنڈن کو اِس کتاب میں بہ طور ہیروئین داخل کیا ہے۔ بلاشبہ عورت ابتدائے آفرینش سے ہی کارخانۂ قدرت کا سرِ نہاں بنی ہوئی ہے۔ ظالموں اور جابروں کا گھمنڈ توڑنے والی عورت کے سامنے بھلا اینڈرسن ایسا لالچی اور عورت کا دشمن بھلا کیسے ٹھہر سکتا تھا، مگر وہ بھی اِس عورت کے عشوہ و ناز کے سامنے پگھل گیا۔ موصوف کی ساری شیخی اور اکڑ پل بھر میں نکل

گئی۔ جب یوسفی کے فارن ایکسچینج کے اسباق مسز ریمنز ڈن کے سرِ پُر غرور میں نہ گھس سکے تو موصوفہ نے ایک ہی وار میں مسٹر اینڈرسن کا کام تمام کر دیا اور وہ چاروں شانے چت ہو گیا۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ یوسفی نے "زرگذشت" میں اپنی یادوں کے حسین نگار خانے سے اپنے دوست احباب اور بینک کے متعلقین کی حنوط یادوں کو ماضی کی گرد جھاڑ کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ یوسفی اِس عمل میں انسان دوستی سے آگے بڑھتے ہوئے انسان شناسی کے مرحلے تک جا پہنچے ہیں۔ اِس کتاب میں اُنھوں نے دوستوں کے علاوہ اپنے حریفوں کو بھی انسانی ہمدردی اور رواداری کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ آپ بیتی کسی بھی انسان کی زندگی کی مکمل ترجمانی کرتی ہے، جس میں خود نوشت نگار کی زندگی کے تمام اہم احوال و آثار بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ تصنیف یوسفی کی پیشہ ورانہ زندگی کے محض چھ سات سالوں کا زندگی نامہ ہے، جب کہ یوسفی نے ایک طویل زندگی گزاری۔ اِس تناظر میں اِس سوانح عمری کو "کُل عمری" تو نہیں کہا جا سکتا، تاہم ایک نو آموز بینک کار کی اُدھوری سرگذشت ضرور ہے، جو بگڑ کر "زرگذشت" بن گئی ہے، یعنی یوسفی نے اپنی سوانح عمری میں بینک کاری کی پیوند کاری کر کے اِسے نئے ذائقوں سے روشناس کرایا ہے۔

اِس کتاب کی سب سے نمایاں خوبی یوسفی کا ساحرانہ اندازِ بیان اور طنز و مزاح کا بہترین امتزاج ہے، تاہم کہیں کہیں غلو و تصنع کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔ اِس مجموعے میں کرداروں کا ہجوم ہونے کے باوجود یوسفی نے ہر کردار کی انفرادی خصوصیات کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ "زرگذشت" کے بعض کردار اِس قدر جان دار ہیں کہ اُن کی کہانیاں انفرادی سطح پر مختصر افسانے معلوم ہوتی ہیں۔ (۲۵) اِس آپ بیتی میں بے شمار کہانیاں بیان ہوئی ہیں، جن کے لیے یوسفی کسی داستان گو کی طرح نئے سے نئے اور جان دار کردار تراش کر لاتے ہیں، جو ہمیں احساس دلاتے ہیں کہ بڑے بڑے طوفانوں کے سامنے ننھے منے تنکے کس طرح سر اُٹھائے کھڑے رہتے ہیں۔ گویا اِس کتاب میں یوسفی نے اپنے کرداروں کے عزائم اور اُمنگیں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں، نصیبوں کی فتح و ناکامی اور سب سے بڑھ کر اقدار و روایات کی شکست و ریخت سب کچھ بیان کیا ہے۔ (۲۶)

اِس تصنیف میں یوسفی کا ظرافتی رنگ پہلے دو مجموعوں کی بہ نسبت زیادہ شوخ، دل کش اور نکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اِس کتاب میں یوسفی کے ہاں شگفتگی، روانی اور صحت مندی کے جلو میں ذہانت کی مہک اور بے تکلفی کی فضا بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ زبان و بیان میں مہارت اور تحریف نگاری میں ندرت و جدت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اِس میں انشاپردازی کا معیار بھی قابلِ تعریف

ہے۔یوسفی نے اپنے سماج کے ساتھ ساتھ اپنے معاصرین کو بھی آڑھے ہاتھوں لیا ہے۔ بعض مواقع پر طنز کے کانٹوں کی چبھن بڑی شدید دکھائی دیتی ہے۔اِس ضمن میں یوسفی نے سب سے زیادہ مسٹر اینڈرسن کی ذات کو تختۂ مشق بنایا ہے۔پھر یوسفی کے امورِ بینک کاری کے اوّلین استاد یعسوب الحسن غوری کا خاکہ بھی خاصے کی چیز ہے۔خاص طور پر غوری کا حد سے سوا وہمی و شکی مزاج قارئین کے لیے لطفِ طبع کا وافر سامان فراہم کرتا ہے۔ملازمت کے ابتدائی آیام میں یوسفی کو جس قسم کی سختی اور لعن طعن پر مبنی صورتِ حال سے گزرنا پڑا،اُس کا بیان بھی خاصے کی چیز ہے۔

مختصر یہ کہ اِس کتاب کے طرزِ تحریر میں پہلی دونوں کتب کے مقابلے میں زیادہ وقار اور عظمت و رفعت دکھائی دیتی ہے۔اِس کتاب کے ہر ورق پر پُر شور قہقہوں کی بیلیں قاری سے لپٹنے کے لیے ہمہ وقت بے قرار نظر آتی ہیں۔(۲۷)اس امر میں کوئی دوسری رائے ہیں کہ یوسفی اپنے خارجی ماحول کو اپنے داخلی جذبات و احساسات سے ہم آہنگ کر کے ایسے پیش کرتے ہیں کہ قاری انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔اِس خوبی نے یوسفی کے مزاح میں انفرادیت کی خوبی پیدا کر دی ہے۔بات کو کہیں سے کہیں لے جانا اور ایک عمومی بات کے ڈانڈے زندگی کی کسی گہری حقیقت سے ملا دینا یوسفی کے اُسلوب کا بنیادی خاصہ ہے،جس کی وجہ اُن کا گہرا تہذیبی ،تاریخی اور سماجی شعور ہے۔یوسفی نے "زرگذشت "میں لفظوں کے کھیل کا جادو جگا کر اپنے فن کو فلک آشنا بنا دیا ہے۔(۲۸)اِس بات میں کلام نہیں کہ یوسفی نے "زرگذشت "میں مزاح کا کم و بیش ہر تیر بہ خیر و خوبی چلایا ہے۔(۲۹)"زرگذشت "بلاشبہ یوسفی کی نثر کا ایک ایسا شاہ کار ہے،جو از آغاز تا انجام ایک طرح کی روانی،شگفتہ بیانی،شوخیِ کلام اور منفرد اُسلوبِ تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔(۳۰)

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ نامی انصاری، "بیسویں صدی میں، اُردو طنز و مزاح"، مشمولہ، بیسویں صدی میں اُردو ادب، مرتب: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۲ء، ص ۳۸۲

۲۔ ابنِ اسماعیل (مؤلف و مرتب)، اُردو طنز و مزاح۔ احتساب و انتخاب، سری نگر: گُلشن پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۸۲

۳۔ آصف علی آصف، "مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری"، مشمولہ، ادبِ لطیف، لاہور، جلد: ۶۶، شمارہ: ۱۲، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۳

۴۔ ممتاز عمر، ڈاکٹر، "اُردو مزاح کا عہدِ یوسفی"، مشمولہ، قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر)، جلد: ۹۰، شمارہ: ۱۲، دسمبر ۲۰۱۸ء، ص ۱۴۴

۵۔ محمد حسن، ڈاکٹر، "ست رنگے لمحوں کا تاج دار"، مشمولہ، اُردو کے اہم مزاح نگار، مرتبہ: اسد اللہ نیازی، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۱

۶۔ سعادت سعید، "سوزِ نہاں" کا نیا اظہار"، مشمولہ، راوی، لاہور، جلد: ۸۳، واحد شمارہ، مئی ۱۹۹۶ء، ص ۱۶۲

۷۔ اختر جمال، "مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری"، مشمولہ، نیرنگِ خیال، راولپنڈی، جلد: ۵۷، شمارہ: ۶۴۳، ۶۴۴، ۱۹۸۱ء، ص ۶۹

۸۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، لاہور: جہانگیر بکس، س۔ن، ص ۹

۹۔ ایضاً، ص ۹

۱۰۔ محمد عمر رضا، ڈاکٹر، اُردو میں سوانحی ادب، فن اور روایت، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص ۱۶۱

۱۱۔ بحوالہ طارق حبیب، یوسفیات، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷

۱۲۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، ص ۷

۱۳۔ ایضاً، ص۸

۱۴۔ مسرت بانو، ڈاکٹر، "یوسفی کی "زرگذشت" بطور ایک ادبی فن پارہ"، مشمولہ، قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر)، ص۲۱۹

۱۵۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، ص۳۹

۱۶۔ ایضاً، ص۸۵، ۸۴

۱۷۔ موجودہ نام خیبر پختون خواہ

۱۸۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، ص۸۷

۱۹۔ ایضاً، ص۱۴۴

۲۰۔ "زرگذشت" کا یہ باب، ہفت "روزہ لیل ونہار"، لاہور (طنز و مزاح نمبر)، جلد:۳، شمارہ:۱۹۸۰، ۲۷، ۲۸ء میں شائع ہوا تھا۔

۲۱۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، ص۱۹۶، ۱۹۵

۲۲۔ ایس ایم معین قریشی، ڈاکٹر، "اب ہم اُردو مزاح کے "سحر یوسفی" میں جی رہے ہیں"، مشمولہ، قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر)، ص۸۵

۲۳۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگذشت، ص۲۲۸

۲۴۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، "مشتاق احمد یوسفی کا فن اور زرگذشت" مشمولہ، اظہارِ خیال، ملتان: بیکن پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء، ص۹۰، ۹۱

۲۵۔ اختر جمال، "مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری"، مشمولہ، نیرنگِ خیال، راولپنڈی، ص۷۰

۲۶۔ ایضاً، ص۷۰

۲۷۔ ابنِ اسماعیل (مؤلف و مرتب)، اُردو طنز و مزاح۔ احتساب و انتخاب، ص۸۲

۲۸۔ ایضاً، ص ۸۴

۲۹۔ امجد اسلام امجد، "زرگذشت"، مشمولہ، فنون، لاہور، شمار: ۲، اگست ستمبر ۱۹۷۶ء، ص ۳۱۹

۳۰۔ افسر کاظمی، ڈاکٹر، مجتبیٰ حسین بحیثیت طنز نگار، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۴